اقبال کا نظریہ حیات بعد الموت

روبینہ یاسمین

پی ایچ ڈی (اردو) سکالر، اسلامیہ کالج پشاور

ABSTRACT

Death is not the end of human life. It is rather one of the stages of the evolution of actual and spiritual life. For Iqbal, physical death is nothing more than a transition from one condition to another condition. After death, the physical part decomposes and becomes the part of the underground. However, the spiritual part i.e. The Soul remains alive and it exists after death. Hence, life is evolutionary and death is a stage in this evolution. Life after death is the restoration of the previously held life. The life after death depends on the earthly life. The earthly life is actually a preparation for the life hereafter. This instance paper explains "Iqbal's Theory of Life after Death".

Keywords:- Allama Muhammad Iqbal, life after death, soul, alive, world, human being, real, permanent.

موت ذہن انسانی پر چھایا ایک ڈراؤنا مرض اور ایک خطرناک بیماری ہے- عام فہم ادراک کے تحت زندگی سے مراد جسم اور روح کا ملاپ ہے اور موت سے مراد جسم سے روح کی پرواز ہے لہذا موت کو دائمی فرقت سمجھ کر ذہن پر سوار کی گئی- "موت ایک چبھتا ہوا کانٹا دل انساں میں ہے"- گویا موت انسان کی نظر میں ایک ناپسندیدہ اور ناگوار شے ہے- موت کا یہ تصور انسانی ذہن میں منفی سوچ پیدا کرتا ہے-

موت کا خوف انہیں لاحق ہوتا ہے جو زندگی کو صرف اسی دنیا تک محدود سمجھتے ہیں اور حیات بعد الموت پر یقین نہیں رکھتے-

اقبال نے اس تصور کے خلاف مسلسل جہاد کیا- اقبال کے نزدیک چوں کہ زندگی ارتقاء پذیر ہے اس لیے مقصد حیات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا- بلکہ موت زندگی کے عمل تسلسل کا ایک مظہر ہے- ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب قدم رکھنا اور محض ایک کیفیت کی دگرگونی کا نام ہے- گویا موت سفر زندگی کے اختتام کا اعلان نہیں بلکہ محض حیات انسانی کی مادیت سے برات کا نام ہے-

تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات (۱)

محمد حسین خاں نے موت کی اس حقیقت کو بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے۔لکھتے ہیں:
"موت انسانی روح کے لیے اس طرح کی پیدائش ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے-------مادی طور پر موت کا مطلب ہے کہ توانائی (انرجی) نے اپنی شکل بدل لی۔ آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن اور نائٹروجن کی نامیاتی ترکیب نے اپنا توازن کھو دیا اور غیر فانی مادوں کی ترکیب میں تحلیل ہو گئی۔"(۲)
اس طرح اللہ نے زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے اسے موت کے مرحلے سے گزارنا ضروری سمجھا۔
اقبال نے زندگی کو مسلسل حرکت سے تعبیر کیا ہے جو نئی نئی کیفیات سے دوچار رہتی ہے موت اسی سلسلہ حادثات کی ایک کڑی ہے۔
ایسا نہیں ہے کہ اس قیمتی زندگی اور اس کے برسوں کے ارتقا کی حاصل خودی، یوں ہی ضائع کر دی جائی گی۔ بلکہ یہ آگے بڑھے گی اور اپنی تسلسل جاری رکھے گی۔ لہٰذا موت زندگی کو ختم نہیں کرتی بلکہ زندگی موت کو ختم کرتی ہے۔
یعنی "زندگی غیر فانی، ازلی و ابدی ہے، لیکن موت فنا کی علامت ہے، موت خلوق و حادث ہے، فانی ہے۔یہ مادے کی دشمن ہے، لیکن جب کسی مادی پیکر کو ہلاک کرتی ہے تو خود بھی فنا ہو جاتی ہے فرد کی حیثیت سے"۔(۳)
موت کا مطلب ہی نفس کے تعلق سے منقطع ہونا ہے نہ کہ نفس کا ختم ہو جانا۔زندگی اپنا سفر جاری رکھے ہوئی ہے:

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
ہوا جب اسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا
اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں (۴)

زندگی ہر دم رواں ہے۔یہ اپنا سفر کبھی نہیں روکتی۔اس میں موت ایک آزمائش ہے اس سعی وجہد کی جو وہ بقا کے لیے کرتی ہے۔
صوفیا کے نزدیک موت مادی وجود سے منقطع ہونا ہے۔لیکن اقبال صوفیوں کے اس نظریہ موت سے متفق نہیں ہیں۔ان کے خیال میں موت مادے کی نفی نہیں بلکہ شعور کا ترک کرنا ہے۔

موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار (۵)

انسانی جسم چوں کہ مادہ اور روح کا مرکب ہے اس لیے انسان مادی دنیا میں مادی جسم کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے- اصل میں موت انہیں تعلقات سے منقطع ہونے کا نام ہے۔ اقبال نے زندگی اور موت کے تعلق سے یہ عمیق نکتہ نکالا کہ موت انسان کو مادی جسم کی تحلیل کے ساتھ ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیتی ہے جس کا مادیت سے کوئی تعلق نہیں- پیکر زندگی تو روح خداوندی کے اعجاز سے ہے جو فنا و عدم سے ماورا ہے- اس حیاتی نقطہ نظر میں اقبال نے قرآن حکیم کی کلید تلاش کی- یہی وجہ ہے کہ موت ان کے لئے کوئی بھیانک چیز نہیں- اقبال اسی زندگی کو ابدی تصور کرتے ہیں جو اوصاف الٰہی سے متصف ہو کر حقیقت مطلق میں داخل ہو چکی ہو۔

جو لی مع اللہ کا راز پا کر زماں و مکاں کی حدود و قیود سے آزاد ہو چکی ہو- موت سے ہمیشہ وہی گریزاں رہتا ہے جس نے اپنی خودی کو اخلاق خداوندی سے متصف کر کے جاوداں نہیں بنایا۔ لہذا موت کا صدمہ اس خودی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جن کا نشیمن ابدی حریم ذات سے وابستہ ہو چکا ہو- ان کے لئے موت جیسی معمولی چیز کوئی حیثیت نہیں رکھتی-

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
حریم ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ تیرا خاک لحد ہے نہ جلوہ گاہ صفات (۶)

اقبال کے ہاں موت کی یہ کیفیت صرف ان اہل ایمان والوں کے لیے مختص ہو سکتی ہے جن کی خودی مستحکم ہو چکی ہو-

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے (۷)

اپنے ایمان کو تازہ کرنے والا ہی مرنے کے بعد اٹھنے کے قابل ہو سکتا ہے لیکن یہ محض شخصی بقا پر دارومدار نہیں ہو گا- مسلسل کوشش اور جدوجہد کے ذریعے یہ مقام مل سکتا ہے۔ ورنہ اقبال کہتے ہیں

بانگ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش لحد (۸)

قیامت بھی ان کے خودیوں کی اطمینان کو متاثر نہیں کر سکے گی- جنہوں نے عشق کے ذریعے گہرائی اور جدوجہد کی کیفیت پہلے سے پیدا کر لی ہو گی-

لہذا اقبال کو مادی موت سے قطعاً خوف نہیں تھا بلکہ وہ اس روحانی موت سے خائف رہتے تھے، جس سے مراد دنیاوی چیزوں کی بیڑیوں میں موت سے ہے لہذا بعثت بعد الموت کوئی خارجی حادثہ نہیں یہ خودی کے اندر ہی ایک حیاتی عمل کی تکمیل ہے-

"کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے" انسان کا جسم تو مٹ جاتا ہے لیکن روح مٹنے والی نہیں بلکہ زندہ رہتی ہے-
جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں(۹)

انسانی تہذیب وتمدن کی حیرت انگیز ترقیاں اسی جرآت ودلیری کا نتیجہ تھیں جو موت سے نہ گھبرانے کے باعث پیدا ہوئیں-اور وہی لوگ کارہائے نمایاں انجام دے گئے جن کے دل خوف جیسے مہلک مرض سے بالکل بے نیاز تھے- ایسے مجاہدین بے سروسامانی اور دنیاوی اسباب سے خالی محض دین کی سربلندی کے جذبے سے سرشار ہر میدان میں سر کٹانے کے لیے تیار رہتے ہیں اور یہی طریق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے-یہی وجہ ہے کہ ابلیس اپنے فرزندوں کو حکم جاری کرتا ہے-کہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جسموں سے نکال باہر پھینک دے کیونکہ اس کے بغیر ان کو کوزیر کرنا ناممکن ہے-

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد اس کے بدن سے نکال دو(۱۰)

اس کے برعکس ہلاکت خیزی کو حیاتی خصوصیت قرار دینے والوں کا یہ مشاہدہ محض ظاہری اور سطحی ہے- مرنے والا اٹھ کر بیٹھ بھی سکتا ہے- جنہوں نے اپنے ایمان کو تازہ کیا اور اپنے عمل کو صالح کیا۔

آہ غافل!موت کا راز نہاں کچھ اور ہے

نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے(۱۱)

سطحی موت ایک مرد آزاد کی کیفیت کو کھو کر خدا کے سوا دوسرے ہزاروں بتوں کا غلام بن جاتا ہے- "موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام"-لیکن اس بات کا شعور صرف شہداء کو حاصل ہے کہ موت صرف عالم سفلی کو ترک کرنا اور حریم کبریا میں قدم رکھنا ہے-

کس نداہد جز شہید ایں نکتہ را

کہ بخون خود خرید ایں نکتہ را(۱۲)

تن پروری کی بجائے حفاظت جان ضروری ہے اور حفاظت جان سر دینے کا نام ہے- جان نثاری اور سر فروشی کا جذبہ انسان کو حیات ابدی عطا کرتا ہے- قرآن پاک اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کے لیے موت کا لفظ تک گوارا نہیں کرتا- حق کی راہ میں شہادت پانے والوں کو اس لئے زندہ کہا گیا ہے کہ وہ موت کے خوف سے بے نیاز تھے-اس لیے اسلام انہیں مطلق طور پر زندہ قرار دیتا ہے-

ایک مرد مومن کی نشانی یہی ہے کہ وہ موت کو آئندہ زندگی کا پیش خیمہ سمجھتا ہے-اور جب روح کی نظر اللہ سے وابستہ ہو جاتی ہے تو وہ خندہ پیشانی سے اپنے مقصود کی طرف قدم بڑھانے کے لیے تیار رہتا ہے-جو چیز اٹل اور عالم گیر ہے اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی-ایک مرد مسلماں کی موت اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے اور اپنی منزل معنوی کی طرف سریع حرکت کا نام ہے-

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور

موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر(۱۳)

اس کے برعکس مادیات سے تعلق جس قدر شدید ہو گا۔موت بھی اسی قدر سخت ہو گی جس طرح اہل یہود محض مادیات کے گرد گردش کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔جس سے ان کے دل سخت ہو چکے تھے۔اس لئے قرآن حکیم نے یہودیوں کو دعوت دی ہے کہ "فتمنوا الموت ان کنتم صادقین "(اگر سچے ہو تو موت کی تمنا تو کرو۔(۱۴)

لیکن جب خودی بیدار ہو جاتی ہے اور اپنا مقصد حیات پالیتی ہے۔تو وہ موت کو خود دعوت دیتی ہے کیوں کہ اسے اللہ سے ملنے کی تڑپ رہتی ہے۔اقبال اپنے اسی نظریہ حیات بعد الموت کی وضاحت کے لئے پیرائے بدل بدل کر مظاہر قدرت کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ایک جگہ موت کو تخم گل سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح آیک بیج زیر خاک دب کر بھی فنا نہیں ہوتا۔ہر لمحہ بیدار رہتا ہے۔وہ اپنا سوز کھوتا نہیں بلکہ اپنی نشوونما کے لئے بے تابی اور بے قراری سے انتظار کرتا رہتا ہے۔آخر اس کا اضطراب مٹی کے انبار کو اپنا سینہ چاک کر کھولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔اپنی عارضی موت کے ہاتھوں تربت سے پھول بن کر ایک نئی زندگی پاتا ہے۔یہی حال اقبالؔ کے مرد مومن کا بھی ہے کہ وہ موت سے قبائے زندگی پاتا ہے پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ

موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ (۱۵)

موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درد فراق

چارہ گر دیوانہ ہے، میں لا دوا کیونکر ہوا

تو نے دیکھا ہے کبھی اے دیدہء عبرت کہ گل

ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا (۱۶)

یعنی قدرت نے نباتات اور حیوانات میں نسلی بقا کو برقرار رکھا ہے۔ان کی زندگی کی بقا فطرت کا خاصا ہے۔فطرت ان کو ضائع کرنے کی بجائے ان کے حیات کا تسلسل برقرار رکھتی ہے۔اس لیے ایک بیج سے ہزاروں بیج اور انسان سے ہزاروں انسان پیدا کرنے میں یہی راز چھپا ہوا ہے۔ان میں انسان کو صرف یہ حیثیت حاصل ہے کہ اپنی خودی کو اطاعت احکام کی بدولت مرتبہ کمال تک پہنچا سکتا ہے۔تو اس کا دل لحد میں بھی زندہ رہتا ہے اور روحانی ترقی کے لیے بھی بے تاب رہتا ہے:

پروفیسر عالم خوند لکھتے ہیں:

"موت فرائض کے ختم ہو جانے کا نام نہیں بلکہ ایک نئے نظام حیات میں فرائض کا ایک نیا نظام ابھرتا ہے۔ انسان ایک منفعل انداز میں اپنی پچھلی زندگی کے نتائج حاصل نہیں کرتا بلکہ ایک بدلے ہوئے انداز میں اپنی فعلیت کا اظہار کرتا ہے۔یعنی جسمانی موت، اندرونی کردار کی تبدیلی سے عبارت ہے۔"(۱۷)

اس طرح اقبال موت کو تجدید مذاق زندگی کا نام دیتے ہیں کہ موت کی منزل سے گزرنے کے بعد ہی انسان کو ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے۔خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام دیتی ہے۔یا پھر جس طرح مجاز میں حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے۔اسی طرء اس دنیا کی تہ میں ہی زندگی کی حقیقی روح کارفرما ہے۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے(۱۸)

میں نے کہا کہ ظط موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں(۱۹)

اقبال کے خیال میں اگر موت کے ہاتھوں نقش حیات مٹ سکتا تو قدرت اسے اس قدر عام نہ کرتی کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" (ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا پڑتا)۔بلکہ یہ تو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ موت کو زندگی سے کوئی خطرہ نہیں۔یوں سمجھ لیں جیسے انسان سو کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ اپنی سرگرمیوں کو شروع کرے۔

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں(۲۰)

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں(۲۱)

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی(۲۲)

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے(۲۳)

جس طرح رات کے وقت پوری کائنات اندھیرے میں ڈوبی رہتی ہے لیکن سورج نکلنے کے ساتھ ہی ہر ذرہ روشنی کی ایک زندگی پالیتا ہے۔یعنی ہر رات کے بعد صبح کا آنا قدرت کا ایک قانون ہے۔بالکل ایسی ہی زندگی کی شب یعنی موت کے بعد نئی صبح کا طلوع ہونا بھی یقینی ہے۔ ظاہر پرست انسان جسے موت کہتے ہیں وہی تو اصل اور دائمی زندگی کی صبح ہے۔

یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح

مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح (۲۴)

اقبال نے موت جیسی اٹل حقیقت کو بار بار اپنی شاعری میں بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی تا کہ قوم کو غیرت اور آزادی کی صفات سے متصف کر کے ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا حق دیا جا سکے اور ان کے دل و دماغ سے موت جیسے زہر کا اثر زائل کر کے موت کے خوف سے گریز کیا جا سکے تا کہ عالم آخرت میں بھی اس ارتقاء کے تحت دائمی زندگی کو خوشگوار بنایا جا سکے۔

غرض ان کے ہاں موت شعور کے اعلیٰ ترین مدارج اور حیات ابدی کی جانب داری سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اقبالؔ کو اس ابدی سفر کے تصور سے کس قدر آگہی اور بصیرت حاصل تھی۔

حوالہ جات:-

(۱)یوسف حسین خاں "روح اقبال" نئی دہلی، غالب اکیڈمی، ۱۹۷۶ء ص ۴۴۶

(۲)علامہ محمد اقبال "کلیات اقبال (اردو)" لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۱۲ء ص ۶۹۸

(۳)عابد حسین و عبدالستار غوری (تالیف) علامہ اقبال اور ڈاکٹر نصیر احمد ناصرؔ کا "فلسفہ دید و نظر"، لاہور، ولی محمد ٹرسٹ، ۲۰۰۵ء ص ۱۵۷

(۴)علامہ محمد اقبال "کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۱۲ء ص ۸۴۷

(۵)ایضاً ص ۱۰۰۹

(۶)ایضاً ص ۱۱۴

(۷)ایضاً ص ۸۶۷

(۸)ایضاً ص ۱۰۹۷

(۹)ایضاً ص ۶۱۳

(۱۰)ایضاً ص ۱۰۳۱

(۱۱)ایضاً ص ۴۱۱

(۱۲)علامہ محمد اقبال "کلیاتِ اقبال (فارسی)" ڈاکٹر جاوید اقبال (ناشر)، لاہور، شیخ غلام اینڈ سنز ۱۹۸۵ء ص ۷۴۷

(۱۳)کلیاتِ اقبال (اردو)۔ ص ۹۰۷

(۱۴)القرآن سورۃ۔ بقرہ آیت نمبر ۹۳

(۱۵)کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۴۱۲

(۱۶)ایضاً ۱۷۱-۱۷۰

(۱۷)پروفیسر عالم خوندمیری "اقبال انسانی تقدیر اور وقت" لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۰ء ص ۸۰
(۱۸)کلیات اقبال اردو ص ۴۱۳
(۱۹)ایضاً ص ۳۴۸
(۲۰)ایضاً ص ۴۱۱
(۲۱)ایضاً ص ۴۵۶
(۲۲)ایضاً ص ۴۴۶
(۲۳)ایضاً ص ۹۲۱
(۲۴)ایضاً ص ۴۱۴